© rasailojaraid.com

کائنات کی مادی توجیہہ اور اسلامی معتقدات

تحریر: پروفیسر مسعود نظامی، گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور

اسلامی عقائد

جدید مفکرین کلامی معتقدات کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ کائنات کی مادی توجیہہ ڈھونڈنے میں انسان کو جب ناکامی ہوئی تو اس نے مذہب کی خوبصورت جائے پناہ تلاش کی اور اب جب کہ ہم کائنات کی توجیہہ تلاش کرنے کے قابل ہو چکے ہیں۔ ہمیں ان معتقدات پر یقین رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسلامی محققین نے اس کے جواب میں بالعموم دو طرح کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اول یہ کہ جدید فکر کے اصل موقف کو صحیح طور پر سامنے رکھے بغیر اس پر تنقید کی گئی۔ دوسری یہ کہ جدید مفکرین کے موقف کو تو صحیح طور پر سمجھا گیا لیکن علمی مرعوبیت کی وجہ سے یہ کوشش کی گئی کہ مغربی اماموں کے نزدیک جن تصورات کو علمی مسلمہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے وہ ان مسلمہ تصورات کو قرآن وحدیث سے درست ثابت کر دکھائیں۔ اس قسم کی غلطیاں جب ایسے مسائل میں پائی جائیں جن کا تعلق دین کی بنیاد اور اس کے مکمل نظام سے ہو تو اس سے سارا فلسفۂ دین متاثر ہو جاتا ہے۔

اس لئے مطالعے کا درست طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی معتقدات میں کسی قسم کی تبدیلی قبول کئے بغیر ان کے اثبات کے لئے دور حاضر کی تحقیقات کو استعمال کیا جائے جیسا کہ متکلمین اسلام نے یونانی فلسفے کو خدمت اسلام پر لگا دیا تھا۔

مادی فکر کے مقابلے میں اثبات مذہب کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ثابت کیا جائے کہ مذہب ایک غیر مادی شے ہے اس لئے مادی علوم کی دسترس سے باہر ہے۔ ایسی حالت میں مادی علوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مذہب کی صداقت پر معترض ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود انہی ذرائع علم کے تحت اس کو ثابت کیا جائے جس کے مطابق مادی علوم میں کسی چیز کو ثابت کیا جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے کو اختیار کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کائنات کی مادی توجیہہ جان لینے کے باوجود بھی معتقدات پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔

اسلامی معتقدات پانچ چیزوں پر مشتمل ہیں۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) ملائکہ (۴) کتب سماویہ

(۵) آخرت

ان میں بنیادی اور مرکزی حیثیت توحید کو حاصل ہے۔ سب سے پہلے اسی پر کچھ تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ دوسرے اس مضمون میں اختصار کے پیش نظر ملائکہ کے علاوہ بقیہ چار پر بحث کی جائے گی۔

توحید

آغاز میں منکرین خدا کے انکار کے بارے میں مختصراً چند دلائل بیان کئے جائیں گے بعد ازاں اصل موضوع پر بحث کی جائے گی۔

مغرب کے وہ حکماء اور فلاسفر جو خدا کو نہیں مانتے ان میں ڈارون۔ ہکسلے فرائڈ اور کارل مارکس سرفہرست ہیں (۱) ان کے افکار ودلائل کا ملخص یہ ہے۔

۱۔ **علم** یہ لوگ کہتے ہیں کہ نئے علوم کی تجلیات نے پرانے مفروضوں اور نظریوں کو خواہ وہ مذہبی تھے یا کائناتی، غلط ثابت کردیا ہے۔ آج کا ذہن صرف اسی حقیقت کو تسلیم کرسکتا ہے کہ جو مشاہدہ اور تجربہ کے معیار پر پورا اترے۔

ہکسلے لکھتا ہے "نیوٹن نے ثابت کردیا ہے کہ کوئی ایسا خدا موجود نہیں جو ستاروں کی گردش کو کنٹرول کرتا ہو۔ علمی دنیا میں اب یہ عقیدہ عام ہوگیا ہے کہ نظام فلکی کو کسی خدا کی ضرورت نہیں رہی" (۲)

۲۔ **قوانین فطرت:** نیوٹن کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات پر ناقابل تبدیل قوانین کی ضرورت ہے۔ ستاروں کی گردش، شب و روز کا اختلاف انہی قوانین کے تحت قائم ہے۔ یہ قوانین فطرت کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر خدا کی گنجائش نکل سکتی ہے تو صرف اس حد تک کہ وہ محرک اول تھا۔

والیٹر کے نزدیک کائنات میں خدا کا مقام اس گھڑی ساز کا ہے جو گھڑی بنانے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہو۔

بعد ازاں سکاٹ لینڈ کے مشہور فلسفی ڈیوڈ ھیوم نے اس "بے کار خدا" کو یہ کہہ کر ختم کردیا کہ ہم نے نئی گھڑیاں بنتی تو دیکھی ہیں لیکن نئی دنیائیں بنتی نہیں دیکھیں۔ اس لئے کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں (۳)

۳۔ **لاشعور:** انسان کے تمام خیالات، تجاویز اور تمنائیں شعور میں جنم لیتی ہیں لیکن جو خواہشات پوری نہ ہو سکیں وہ لاشعور میں داخل ہو جاتی ہیں اور بعد ازاں مختلف خوابوں، عقیدوں اور امیدوں کو جنم دیتی ہیں۔ یہ جنت، اس کی حوریں، محل اور باغ انہی مدفون تمناؤں کا عکس ہیں (۴)

۴۔ **خدائی تصور:** قدیم زمانے میں سائنس کی دریافتوں سے پہلے انسان کے پاس سیلابوں، بیماریوں اور آسمانوں کی آفتوں سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اپنی تسکین کے لئے ایک خدا تراش لیا جسے وہ مصیبت کے وقت پکار سکے۔ اور اس سے دفع بلا کی امید رکھے۔ خدا کو بادشاہ ماننے کا عقیدہ بھی محض بادشاہت کی بگڑی ہوئی شکل ہے (۵)

۵۔ **خدا اور سوشلزم:** سوشلسٹوں کے ہاں مذہب ایک تاریخی فریب اور سرمایہ داروں کے لئے آلۂ استحصال ہے۔ اس کی آڑ میں پورا غریبوں کا شکار کھیلتے ہیں۔ سوشلزم کے مفسر اول انگلس نے اخلاق، عقائد اور مذہب کو اقتصادی ناہمواری کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیق ہے۔ چونکہ یہ نظام اب آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اس لئے مذہب بھی اسی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔

ایک اور سوشلسٹ اپنی تصنیف "بالشوزم" میں خدا کے متعلق لکھتا ہے۔

"دنیا میں استبداد کا سب سے بڑا اور پہلا حامی خود خدا تھا" (۶)

یہ تھے جدید ذہن کے خدا اور مذہب کے بارے میں مختصر خیالات (العیاذ باللہ) جنہیں وہ اس بات کے ثبوت کے لئے پیش کرتے ہیں کہ دور جدید نے مذہب کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک بے بنیاد دعوی ہے۔ جدید طریق فکر نے مذہب کو کسی بھی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید مفکرین کہتے ہیں کہ کائنات کے اندر رونما ہونے والے واقعات ایک متعین قانون فطرت کے تحت ہو رہے ہیں اس لئے ان کی توجیہہ کی لئے کسی نامعلوم خدا کا وجود فرض کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم قوانین خود اس کی توجیہہ کےلئے موجود ہیں۔

اس استدلال کا بہترین جواب ایک عیسائی عالم نے خوب دیا ہے:

Nature is a fact not an explanation.(7)

یعنی فطرت کا قانون ایک واقعہ ہے وہ کائنات کی توجیہہ نہیں ہے۔

اس لئے ایسے معترضین! تمہارا یہ قول درست ہے کہ ہم نے قوانین فطرت معلوم کر لئے ہیں مگر جو تم نے چیز معلوم کی ہے وہ اس مسئلے کا جواب نہیں جس کے جواب کے طور پر مذہب وجود میں آیا ہے۔ مذہب بتاتا ہے کہ وہ اصل اسباب و محرکات کیا ہیں جو کائنات کے پیچھے کام کر رہے ہیں جب کہ تمہاری دریافت اس مسئلہ سے متعلق ہے کہ کائنات جو ہمارے سامنے کھڑی نظر آتی ہے اس کا ظاہری ڈھانچہ کیا ہے؟ سائنس کا سارا علم اس سے متعلق ہے کہ جو کچھ ہے وہ کیا ہے؟ یہ بات اس کی دسترس سے باہر ہے کہ جو کچھ ہے وہ کیوں ہے؟ جب کہ توجیہہ کا تعلق اسی دوسرے پہلو سے ہے اور اس کی وضاحت مذہب کرتا ہے۔

اس مثال سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ مرغی کا بچہ انڈے کے مضبوط خول کے اندر پرورش پاتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے باہر آجاتا ہے۔ یہ واقعہ کس طرح رونما ہوتا ہے؟ قدیم زمانے کا انسان یہ جواب دیتا تھا کہ خدا ایسا کرتا ہے مگر اب خورد بینی مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ جب ۲۱ روز کی مدت پوری ہونے والی ہوتی ہے اس وقت ننھے بچے کی چونچ پر ایک نہایت چھوٹی سی سخت سینگ ظاہر ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آجاتا ہے بعد ازاں چند روز بعد وہ سینگ خود بخود جھڑ جاتی ہے۔

جدید مادی فکر کے نظریے کے مطابق یہ مشاہدہ اس قدیم نظریے کو غلط ثابت کرتا ہے کہ بچہ کو باہر نکالنے والا خدا ہے۔ کیونکہ خوردبین سے سینگ والا عمل صاف نظر آرہا ہے مگر یہ سب کچھ مغالطہ ہے۔ کیونکہ اصل واقعہ تو یہ معلوم کرنا ہے بچہ کی چونچ پر عین وقت پر سینگ کیسے ظاہر ہوتی جو اپنا کام پورا کرنے کے بعد جھڑ گئی۔ گویا پہلے یہ سوال تھا کہ خول کیسے ٹوٹتا ہے اور اب یہ سوال پیدا ہوگیا کہ سینگ کیسے بنتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالتوں میں کوئی نوعی فرق نہیں۔ اسے زیادہ سے زیادہ حقیقت کا وسیع تر مشاہدہ کہہ سکتے ہیں ۔ حقیقت کی توجیہہ کا نام نہیں دے سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فطرت جسے معلوم کرلینے کی وجہ سے انسان یہ دعوی کرنے لگا ہے کہ اس نے کائنات کی توجیہہ دریافت کرلی اور اسے خدا پر ایمان لانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ محض دھوکہ ہے۔ ایک امریکی عالم حیاتیات نے کیا خوب لکھا ہے:

Nature does not explain, she is herself in need of an explanation.(8)

یعنی فطرت کائنات کی توجیہہ نہیں کرتی وہ خود اپنے لئے توجیہہ کی طالب ہے۔

بلاشبہ اس قسم کی دریافتیں اگر موجودہ مقدار کے مقابلے میں اربوں کھربوں گنا بھی بڑھ جائیں جب بھی مذہب کی ضرورت باقی رہے گی کیونکہ یہ دریافتیں آنے والے واقعات تو بتاتی ہیں لیکن یہ نہیں بتاتیں کہ یہ واقعات کیوں ہو رہے ہیں اور ان کا آخری سبب کیا ہے؟ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں مگر کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ شہادت افلاک

خلا میں بے انتہا بڑے بڑے آگ کے آلاؤ (ستارے) بے شمار تعداد میں اندھا دھند گردش کر رہے ہیں ان میں چاند، سورج نظام شمسی کے چند دیگر ستارے بھی شامل ہیں۔ جرمن کے ایک سائنس دان نے تین لاکھ ستاروں کا ذکر کیا ہے۔ کیلیفورنیا کے ایک منجم رابرٹ کی تحقیق کے مطابق آسمان کے مدھم ستاروں کی تعداد تیس ارب ہے اور کہکشاں کی تعداد دس لکھ ہے۔ آفتاب کے گرد گھومنے والے نو بڑے سیاروں میں سے کچھ سیارے سورج سے کئی کروڑ میل دور بلکہ کئی سیارے سورج سے کئی ارب میل دور ہیں، سورج زمین سے تین لاکھ تینتیس گناہ بڑا ہے اس کی وسعتوں میں دس لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ سورج سے قریب ترین ستارہ دس لاکھ نوری سال کی مسافت پر واقع ہے اور بعید ترین پندرہ کروڑ نوری سال کی مسافت پر۔ انطریس (Antares) ستارے کا قطر چالیس کروڑ میل ہے۔ ہماری کہکشاں کے بعض ستارے زمین سے ایک لاکھ نوری سال دور ہیں۔ اس کہکشاں کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے۔ سورج اپنے تمام سیاروں اور سیارچوں کو ساتھ لئے ایک عظیم کہکشانی نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ کہکشاں میں کئی ملین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہکشائیں ہیں۔ کہکشاں میں کئی ارب ستارے ہیں اس طرح ہزاروں حرکت والے نظام سے کہکشاں بنتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی پلیٹ ہے جس پر بے شمار ستارے منفرد اور مجتمعاً لٹوؤں کی طرح مسلسل گھوم رہے ہیں (۹)

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات 500 ملین کہکشاؤوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں۔ ہمارا سورج ہیبت ناک تیزی کے ساتھ چکر کاٹتا ہوا بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشیے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے اور اپنے ساتھ نظام شمسی کے تمام توابع کو لیے جارہا ہے۔ اسی طرح تمام ستارے اپنی گردش قائم رکھنے کیلئے کسی نہ کسی طرف بھاگ رہے ہیں۔ یہ ساری حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ نہ ان میں باہم ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ زمین کی حرکت سورج کے گرد حد درجہ منضبط ہے۔ اسی طرح اپنے محور کے گرد اس کی گردش اتنی صحیح ہے کہ صدی کے اندر بھی اس میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں پڑتا۔ زمین کا سیارہ جیسے چاند کہتے ہیں اس کی گردش بھی پوری طرح مقرر ہے۔ اس میں خفیف سا جو فرق پڑتا ہے وہ بھی (ساڑھے اٹھارہ) 18 1/2 سال کے بعد نہایت صحت کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ یہی حال تمام اجرام سماوی کا ہے۔ سورج کے پاس اس روشنی کے اتنے بڑے بڑے خزائن ہیں کہ اگر یہ پندرہ ارب سال تک چمکتا رہے تو اس کی ایک فی صدی روشنی کا دسواں حصہ خرچ ہوگا (۱۰)

یہ تمام تر وہ تفاصیل ہیں جو جدید مفکرین سائنس دانوں نے معلوم کی ہیں لیکن کیا کائنات کے اندر اس قدر گہرے غور و خوض اور اتنی عمیق معلومات کے باوجود یہ مفکرین بتلا سکتے ہیں کہ:

(الف) افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا کروڑہا ستاروں کے قمقمے کس نے فروزاں کئے؟

(ب) ہمارے ہاں بے شمار انتظامات اور سائنسی آلات کے باوجود آئے دن ریل گاڑیاں آپس میں ٹکراجاتی ہیں لیکن آسمانوں کے مہیب، برق رفتار اور اربوں ٹن وزنی کروں میں آج تک تصادم نہیں ہوا۔ ان کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) بتی میں تیل نہ ڈالو تو بجھ جاتی ہے، برقی پلانٹ بند ہوجائے تو سارا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے کیا کوئی بتاسکتا ہے کہ آسمانی روشنیوں کا انتظام کون کس طرح کررہا ہے؟ آج تک اس میں ذرہ بھر فتور پیدا نہیں ہوا۔

یہ امر ناقابل قیاس ہے کہ افلاک کا یہ حیرت انگیز نظام کسی ناظم کے بغیر چل رہا ہے۔ اس عظیم اور حیرت انگیز تنظیم کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ اپنے آپ قائم نہیں ہے بلکہ کوئی غیر معمولی طاقت ہے جس نے اس اتھاہ نظام کو قائم کررکھا ہے۔

۲۔زمین

سائنس دان بتاتے ہیں کہ آج سے ہزارہا سال پہلے ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قریب سے گزرا۔ زور کشش سے سورج کے چند ٹکڑے کٹ کر دور خلا میں گھومنے لگے جن میں سے ایک زمین تھی۔ ان ٹکڑوں کو قریب کے ستاروں نے کھینچ کر متوازن کردیا۔ زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے گرد جو چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے اور دوسری آفتاب کے گرد جو ۳۶۵ دن لیتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق زمین کو آفتاب سے جدا ہوئے آج دو ارب صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ان گردشوں میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا ورنہ علمائے ہیئت کے تمام اندازے غلط ہوجاتے۔ اپنے گرد زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور آفتاب کے گرد ۶۸ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ اگر اس کی پہلی رفتار کم کردی جائے تو شب روز دس گنا لمبے ہوجائیں۔ جون میں ۱۴۰ گھنٹے کا گرم دن زمین کو جھلس کر رکھ دے گا اور جنوری کی اتنی ہی طویل رات ہر شے کو منجمد کردے گی اور جب یہ رفتار سولہ ہزار دو سو میل فی گھنٹہ تک پہنچے گی تو کسی چیز میں کوئی وزن باقی نہ رہے گا۔ ہوا کا ایک جھونکا درختوں اور مکانوں کو گرادے گا۔

زمین کا وزن ۵ ارب بلین ٹن ہے۔ اگر یہ آدھا ہوتا تو کشش ثقل نصف رہ جاتی اور اشیاء کا وزن آدھا ہوجاتا اور اگر یہ وزن دگنا ہوتا تو ہر چیز کا وزن دگنا ہوجاتا۔

زمین کا فاصلہ سورج سے نو کروڑ انتیس لاکھ میل دور ہے اور یہ فاصلہ حیرت انگریز طور پر قائم ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہوجائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ اس گرمی سے کاغذ جلنے لگے اور اگر موجودہ فاصلہ دوگنا ہوجائے تو اتنی ٹھنڈک پیدا ہو کہ زندگی باقی نہ رہے۔ یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت اس وقت پیدا ہوگی جب موجودہ سورج کی جگہ وہ دوسرا غیر معمولی ستارہ آجائے جس کی گرمی ہمارے سورج سے دس ہزار گناہ زیادہ ہے توزمین کو آگ کی بھٹی بنادے (۱۱)

کرہ ارض کا رخ آفتاب کی طرف بالکل سیدھا نہیں بلکہ ۲۳ درجے کے قریب ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ یہی جھکاؤ موسموں کا سبب ہے۔ گر ایسا نہ ہوتا تو ہر دن پچھلے دن جیسا ہوتا اور ہم سردی، گرمی، بہار اور برسات کے مناظر، غذاؤں اور پھلوں سے محروم رہ جاتے۔

کائنات میں بقائے حیات کے یہ انتظامات اس قدر مکمل اور مسلسل ہیں کہ انہیں حسن اتفاق کہنا دلیل کم نظری ہے۔ کیا زمین کا یہ حجم، یہ جھکاؤ، یہ رفتار، یہ ہوا، یہ سورج، یہ سلسلۂ لیل ونہار، یہ موسموں کی گردش، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ زمین میں قوت روئیدگی، یہ گھٹاؤں کا حیرت انگیز نظام اور یہ ازہار واثمار کی حسین دنیا محض اتفاقات ہیں؟ ہرگز نہیں۔

سائنس دان بتاتے ہیں کہ آغاز تخلیق میں جب زمین آفتاب سے جدا ہوئی تھی تو اس کا درجہ حرارت وہی تھا جو سورج کا تھا یعنی بارہ ہزار فارن ہیٹ۔ جب یہ حرارت چار ہزار فارن ہیٹ رہ گئی تو یہ آکسیجن کی ایک خاص مقدار ہائیڈروجن کی طرف بھاگی اور پانی تیار ہوگیا۔ ان گیسوں کی مختلف مقادیر سے کروڑوں مرکبات تیار ہوسکتے ہیں لیکن پانی ان کی صرف ایک ترکیب (دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن) سے بنتا ہے اور باقی مرکبات زہر ہوتے ہیں (۱۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوزان ومقادیر کی یہ تعیین تو سائنس دانوں نے کردی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ان اوزان ومقادیر کی یہ تعیین کس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کی۔ کیا یہ تعیین خود بخود ہوگئی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کیمسٹ کی دوکان میں مفرد ادویہ خود بخود ایک دوسرے سے مل کر مرکب بن جائیں یا لکڑی کے تختے کشتی کی صورت اختیار کرلیں۔ یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا۔ اگر نہیں ہوسکتا تو وہ کون سی ہستی ہے جو یہ تعیین فرمارہی ہے تو وہ ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات جو ہر روز یہ اعلان فرمارہی ہے:

وان من شئی الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم (۱۵:۲۱)

(تمام اشیاء کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر شے کو ایک مقرر اور معین مقدار میں نازل کرتے ہیں)

اسی طرح آغازِ تخلیق میں جب زمین ٹھنڈی ہوئی تو چھ گیسیں باہم مل کر ہوا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبدیل ہوگئیں۔ جن میں تقریباً ۷۸ فی صد نائٹروجن اور ۲۱ فیصد آکسیجن ہے۔ باقی گیسیں بہت خفیف تناسب میں پائی جاتی ہیں۔ آکسیجن ایک آتش گیر گیس ہے اگر فضاء میں اس کی مقدار زیادہ ہوتی مثلاً ۲۱ فیصد کی بجائے ۵۰ فیصد ہوتی تو آسمانی بجلی کے ایک شرر سے سطح زمین کی تمام چیزوں پر ایک ایسی آگ بھڑک اٹھتی کہ سب کچھ جل جاتا۔ اور اگر موجودہ مقدار سے نصف ہوتی تو نہ چولہوں میں آگ جلتی اور نہ حیوانی زندگی باقی رہتی۔

سوال یہ ہے کہ انتہائی متحرک گیسیں کس طرح آپس میں مرکب ہوئیں اور ٹھیک اس مقدار اور تناسب میں فضا کے اندر باقی رہ گئیں جو زندگی کے لئے ضروری تھا۔

کرۂ ارض میں ذرات، گرد، آبی بخارات اور گیسوں کی وجہ سے کچھ کثافت پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو وہ لاتعداد شہاب ثاقب جو کثیف فضا کی رگڑ سے جل کر راکھ ہوجاتے ہیں ہم پر اتنے شرر اور پتھر برساتے کہ زندگی ختم ہوجاتی۔

سمندر کے پاس ہوا کا دباؤ پندرہ پونڈ انچ ہوتا ہے اور ہزار فٹ کی بلندی پر تقریباً 14 1/2 (ساڑھے چودہ) پونڈ فی انچ۔ انسان کے کندھے اندازاً ۸۰ مربع انچ گھیرتے ہیں۔ ان پر ہوا کا دباؤ ۱۱۶۰ پونڈ (۱۴ 1/2 من) ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان اس بوجھ کے نیچے پس کیوں نہیں جاتا۔ جواب یہ ہے کہ کسی ہستی نے ہوا اور پانی دونوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ ان کا دباؤ ہر سمت سے ہر سمت کو زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر اور اس لئے اس کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔

اگر سمندر منجمد ہوتے تو ساری دنیا ہلاک ہوجاتی اور اگر ابل رہے ہوتے تو گرمی سے مرجاتی۔ اس کا اعتدال بقائے حیات کا باعث ہے۔

نباتات کی بقا کا انحصار کاربن پر ہے۔ درختوں کے پتے ہوا سے کاربن اور آکسیجن کا آمیزہ لے کر کاربن کے پاس رکھ لیتے ہیں اور آکسیجن خارج کردیتے ہیں۔ اگر پودے آکسیجن مہیا نہ کرتے تو حیوانات مرجاتے اور اگر حیوانات کاربن نہ خارج کرتے۔ تو درخت سوکھ جاتے (۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- ایٹم

اب تک کی معلومات کے مطابق سب سے چھوٹی دنیا ایٹم ہے۔ ایٹم برقی پاروں کے ایک مجموعے کا نام ہے۔ ایٹم کے منفی برق پارے جو الیکٹرون کہلاتے ہیں وہ مثبت برق پاروں کے گرد گھومتے ہیں جن کو پروٹون کہا جاتا ہے۔ یہ برقیے جو روشنی کی کرن کے ایک موہوم نقطے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے اپنے مرکز کے گرد اس طرح گردش کرتے ہیں جیسے زمین اپنے مدار پر سورج کے گرد گردش کرتی ہے اور یہ گردش اتنی تیز ہوتی ہے کہ الیکٹرون کا کسی ایک جگہ تصور نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ پورے مدار پر ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہے وہ اپنے مدار پر ایک سیکنڈ میں ہزاروں ارب چکر لگا لیتا ہے۔

یہ ناقابل قیاس اور ناقابل مشاہدہ تنظیم اگر سائنس کے قیاس میں اس لئے آجاتی ہے کہ اس کے بغیر ایٹم کے عمل کی توجیہہ نہیں کی جاسکتی تو ٹھیک اسی دلیل سے آخر ایک ایسے ناظم کا تصور کو کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا جس کے بغیر ایٹم کی اس تنظیم کا برپا ہونا محال ہے۔ کائنات کی اس قدر پیچیدگی جان لینے کے باوجود اس کے خالق پر ایمان لانا ضروری نہیں تو پھر بتلائیں کہ اس قدر پیچیدہ نظم و نسق کسی مدبر اور ناظم کے بغیر کس طرح خود بخود قائم ہے؟ (۱۴)

انسان کا مواصلاتی نظام (عصبی نظام)

ٹیلیفون کی لائن میں تاروں کا پیچیدہ نظام دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لندن یا امریکہ سے پاکستان میں کال چند منٹ میں کی جاتی ہے مگر انسانی بدن میں ایک مواصلاتی نظام کام کر رہا ہے جو اس سے کہیں زیادہ وسیع اور زیادہ پیچیدہ ہے۔ یہ ہمارا اپنا عصبی نظام ہے جو قدرت نے قائم کر رکھا ہے۔ اس مواصلاتی نظام پر دن رات کروڑوں خبریں ادھر سے ادھر دوڑتی رہتی ہیں جو مختلف اعضاء کو بتلاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکیں، حرکت کریں اور کب نہ کریں۔ اس مواصلاتی نظام کا مرکز انسان کا دماغ ہے جس کے اندر ایک ارب عصبی خانے (Cell) ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں جنہیں عصبی ریشے کہتے ہیں۔ ان باریک ریشوں پر خبر وصول کرنے اور حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ جسم کے ہر حصہ کی ہر خبر آناً فاناً دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ ہماری زبان میں تین ہزار ذائقے خانے (تار) ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے علیحدہ عصبی تار کے ذریعے دماغ سے جڑا ہوا ہے اسی وجہ سے زبان تین ہزار ذائقوں سے حظ اندوز ہو سکتی ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعتی خانے ہیں۔ آنکھ میں ایک سو تیس ملین بینائی کے آلات ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں۔ ہماری تمام جلد میں اڑھائی لاکھ ایسے خانے ہیں جو گرمی۔ سردی۔ نرمی۔ سختی کی دماغ کو خبر دیتے ہیں اور تین ملین پسینہ کے غدود ایک ٹھنڈا عرق خارج کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کے بے شمار پہلو ہیں۔ کائنات کی ہر چیز میں اسی طرح کا ایک زبردست نظام قائم ہے جس کے سامنے انسانی مشینوں کا بہتر سے بہتر نظام بھی مات ہے(۱۵)

اگر انسانی جسم کے مختلف اعضاء کی اس قدر پیچیدگیوں کو بذریعہ سائنس معلوم کر لیا گیا ہے تو پھر اس ہستی کے تسلیم کرنے میں کون سی چیز حائل ہے جس نے یہ پیچیدہ نظام تخلیق فرمایا ہے۔

نظام انہضام

جب غذا منہ میں پہنچتی ہے تو پہلے دانت سے اسے چباتے اور پھر چھ گلینڈ اس میں لعاب شامل کرتے ہیں۔ ان میں ایک جوڑا کانوں کے نیچے۔ دوسرا زبان کی جڑ میں اور تیسرا نچلے جبڑے کے نشیب میں ہے۔ ان سے ایک سیر لعاب روزانہ خارج ہوتا ہے۔ لعاب میں ایسے کیمیائی عناصر شامل ہیں جو غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ جب غذا معدے میں پہنچتی ہے تو معدہ کے گلینڈ اس میں گیسٹرک فلائڈ شامل کر دیتے ہیں۔ پھر جگر اس پر تیزاب نچوڑتا ہے۔ اس کا روزانہ اخراج اڑھائی پونڈ کے قریب ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ غذا پتلی ہو کر انتڑیوں میں چلی جاتی ہے۔ سیاہی چوس کی طرح انتڑیوں کی سوراخ دار اور کھردری دیواریں شکر، نشاستہ، حیاتین اور دیگر مفید اجزا کو چوس کر خون میں پہنچا دیتی ہیں اور ناکارہ مواد کو باہر پھینک دیتی ہیں۔

دست غیب کا کمال دیکھئے کہ ہر حصہ جسم تک غذا کا وہی جزو پہنچاتا ہے جس کی وہاں ضرورت ہوتی ہے مثلاً ناخن وہی عناصر قبول کرتے ہیں جن سے ناخن بڑھیں۔ یہی حال دانتوں، بالوں، ہڈیوں اور پٹھوں کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام انہضام کے اندر جدید مفکرین سائنس دانوں نے اس قدر گہری تحقیق تو کرلی لیکن کیا وہ بتاسکتے ہیں کہ اس سارے عمل کے پیچھے وہ کون سا دست غیب کارفرما ہے جو یہ سارا پیچیدہ نظام چلارہا ہے۔ اگر نظام انہضام کے ان حقائق کو جان لینے کے باوجود بھی وہ اس عظیم ہستی پر ایمان نہ لائیں تو شقاوت و محرومی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے۔

غرضیکہ کائنات میں دانش و حکمت کے اس قدر پہلو ہیں کہ اگر ہم ان کی فہرست تیار کرنے بیٹھیں تو یہ کام ابدالاباد تک ختم نہ ہو۔

ولوان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃابحر مانفدت کلمۃاللّٰہ(لقمن۳۱ : ۲۷)

(اور اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور موجودہ سمندروں کے ساتھ سات اور سمندر ان کی سیاہی کا کام دیں تب بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی)

ابتدائی خلیے کو انگریزی میں ایبا کہتے ہیں جو صرف خورد بین سے نظر آتا ہے اور سمندروں میں ملتا ہے۔ تمام جاندار اسی کی ارتقائی صورت ہیں۔ انہی خلیوں سے دل، جگر، زبان اور دماغ بنا۔ دنیا کے تمام سائنس دان مل کر بھی ایک کان، زبان وغیرہ نہیں بناسکتے۔ ہم اپنے گردوپیش ایک عظیم منصوبہ اور ایک حیرت انگیز پلان کارفرما دیکھتے ہیں جو کسی حکیم کی حکمت ودانائی کی شہادت دے رہا ہے۔ یہ حکیم ان خلیوں سے یوں دل وجگر بنا رہا ہے جیسے کوئی معمار اینٹوں سے مکان تیار کرتا ہو(۱۶)

انسان ذرا اپنے نظام جسمانی کو دیکھے کہ کس طرح غذا خون بن کر جسم کے ہر حصے تک جارہی ہے۔ دل، پھیپھڑے، جگر، تل اور گردوں کی پیچیدہ مشینری کس صحت سے کام کررہی ہے۔ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور عقل سوچ رہی ہے۔ کیا کوئی بتاسکتا ہے کہ جسم کے ان اجزا کو کون چلاتا ہے؟ جدید مفکرین جواب دیتے ہیں: قانون فطرت؟ بھئی! قانون فطرت تو ایک بے جان چیز ہے۔ اس میں اتنی اہلیت کہاں کہ وہ فکر و نظر جیسی اشیاء کی تخلیق کرسکے۔ ہمارے سامنے درجنوں قوانین اور ضابطے موجود ہیں مثلاً ملک کا قانون، دیوانی قانون۔ ریل۔ ڈاک، اسلحہ، بیمہ، بینکنگ اور بیع وشرا کا قانون کیا ان میں سے کوئی ایک قانون بھی موجد وخالق ہے؟ اگر نہیں تو پھر قانون فطرت کو ہم کائنات کا خالق کیسے تسلیم کرلیں۔؟

کائنات کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض حکماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہاں جو کچھ ہورہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس کے پیچھے اسباب وعلل کا ایک سلسلہ کارفرما ہے۔ اس لئے ان کی توجیہہ کے لئے ایک ناقابل فہم خدا کی ضرورت نہیں۔ یہ قوانین واسباب خود واقعات کی توجیہہ ہیں لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ اسباب وعلل کہاں سے آئے؟ ان کا واضع کون تھا؟ یہ درست کہ پانی بادلوں سے برسا، بادل بخارات سے تعمیر ہوئے اور بخارات سورج کی تپش سے اٹھے لیکن سورج، ہوا اور سمندر کہاں سے آئے تھے۔ ہواؤں کو بادلوں کا مرکب کس نے بنایا تھا۔ بخارات کو پانی بننا اور قطرہ بن بن کر برسنا کس نے سکھایا تھا۔ زمین میں روئید گی کی صلاحیت کس نے رکھی تھی۔ ننھے سے بیج کو کس نے درخت میں تبدیل کیا تھا اور پھلوں میں ذائقہ، رس اور خوشبو کس نے ڈالی تھی؟ اشیائے علم (خواص، تاثرات، ترکیب اور ہیئت کے علم) کو اشیاء کی توجیہہ سمجھنا محض غلط فہمی اور خود فریبی ہے۔

یہ لوگ قوانین فطرت کو اندھی طاقتیں کہتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اندھی طاقتیں رہ سے بھٹکتی کیوں نہیں۔ چڑیا کے انڈے سے کبوتر کیوں نہیں نکلتا اور کیکر کے ساتھ آم کیوں نہیں لگتے۔ سائنس دان شائد یہ تو بتا سکیں کہ کیا ہورہا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتاسکتے کہ کیوں ہورہا ہے۔

انگلستان کا ایک فاضل ڈاکٹر ایبر سولڈ لکھتا ہے:

"اس کائنات میں نظم و ترتیب اور حکمت وصناعی کے یہ حیرت انگیز مظاہرے کسی حادثے یا اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک بے مثل خالق اور عظیم مدبر کی تخلیق ہیں جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز میں خیال یہ تھا کہ سائنس بہت جلد زندگی اور عقل وشعور کے سرچشموں کے متعلق مکمل علم حاصل کرلے گی لیکن جوں جوں میرے علم میں اضافہ ہوتا یہ حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہوتی گئی کہ انسانی علم ان ماورائی حقائق کی ابجد سے بھی ناآشنا ہے" (۱۷)

درحقیقت کائنات میں سب سے بڑا معمار یہ انسان ہے اور اس سے بڑا معمار اس کا دماغ جو ذہانت، تجسس، شعور، حافظہ، فکر اور خرد کے اوصاف سے آراستہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ان اوصاف کا خالق کون ہے؟ جواب ہے:

"وہ رب جسے دل نے تو ہمیشہ جانا لیکن خرد اس سے عموماً غافل رہی"

الغرض ان تمام تر تفاصیل سے یہ چیز اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ کائنات کے حقائق جان لینے کے باوجود ان کے خالق خداوند ذوالجلال کی ہستی پر ایمان لانا اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے اپنی جبین نیاز خم کر دینا کس قدر ضروری ہے۔

عقیدہ رسالت

توحید کے بعد مذہب کا دوسرا عقیدہ رسالت و وحی والہام ہے یعنی یہ عقیدہ کہ خدا انسانوں میں سے کسی انسان پر اپنا کلام نازل کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام انسانوں کو اپنی مرضی سے باخبر کرتا ہے۔ اب چونکہ بظاہر ہمیں خدا اور صاحب وحی کے درمیان ایسا کوئی تار نظر نہیں آتا جس پر خدا کا پیغام سفر کر کے انسانوں تک پہنچتا ہو اس لئے جدید مفکرین اس دعوی کے صحیح ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک رسالت و نبوت کا سرچشمہ وحی والہام نہیں بلکہ انسان کے اپنے لاشعور سے نکلا ہوا کلام ہے۔ اس لئے لاشعور سے نکلے ہوئے کلام کو وحی والہام سے تعبیر کرنا ایک استعارہ ہے نہ کہ کسی حقیقت واقعہ کا اظہار۔

فرائڈ کے نزدیک بچپن اور بعد کی دبی ہوئی خواہشات کسی غیر معمولی حالت (جنون ہسٹریا) کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور دبے ہوئے خیالات بڑبڑاہٹ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جنہیں کمزور عقیدہ کے لوگ نبوت والہام سمجھنے لگتے ہیں۔

حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ بچپن اور جوانی کی خواہشات اتنی ناپاک اور قبیح ہوتی ہیں کہ بڑوں کا خوف اور معاشرہ کا ڈر ان کی تکمیل میں حائل ہوجاتا ہے اور وہ دب جاتی ہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام کا کلام انہی خواہشات کا اظہار ہوتا تو ہر نبی عریانی فحاشی کا مبلغ ہوتا اور ان الہامات میں بلا کی پاکیزگی، بلندیٔ حکمت اور دانش نہ ہوتی کیوں کہ ان کے الہامات حکمت ودانش کے وہ جواہر پارے ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ عظمت، مسرت اور فلاح ونجات ہے۔ انہیں کسی جنس زدہ نوجوان کی ناپاک خواہشات کا اظہار قرار دینا جہالت وحماقت کی انتہا ہے۔

حالانکہ وحی والہام ایک ایسی چیز ہے جسے ہم اپنے معلوم حقائق کی مدد سے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

روشنی اور ایتھری لہروں کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ جب ہم کسی نشر گاہ (ریڈیو وغیرہ) سے کوئی پیغام نشر کرتے ہیں تو وہ ایک سیکنڈ میں زمین کے آٹھ چکر لگاتا اور چاند تک صرف ۱/۳ ۱ سیکنڈ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا رب ذی العرش اپنا کلام اپنے رسول تک پہنچانے کے لئے ان ایتھری لہروں سے کام نہیں لے سکتا۔ (۱۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج ہوشیار پور کے ہال میں ایک بنگالی پروفیسر کو دیکھا کہ اس نے ہپناٹزم کے ذریعہ ایک لڑکی کو پہلے ہاتھ پھیر کر بے ہوش کیا پھر حاضرین میں سے ایک کو تاش کا پتہ دے کر کہا کہ کوئی پتہ نکال کر سامنے کیجئیے۔ پروفیسر نے اس پتے کو دیکھ کر بے ہوش لڑکی سے کہا کہ پتے کا نام بتاؤ اور وہ بول اٹھی "چڑیا کا یکہ" اس نے بیسیوں دیگر پتوں کے نام بھی بتائے اور وہ سب صحیح تھے (۱۹)

علم جدید کے مصنف نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن میونخ (جرمنی) کے ایک اجنا نامی ہوٹل میں ہپناٹزم کا ایک پروفیسر اپنی طاقتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے ایک تماشائی سے کہا کہ وہ دل میں تاش کا ایک پتہ رکھ لے اور اپنے ساتھ والے کو اس کا نام بتادے۔ ہپناٹسٹ نے دعوی کیا کہ وہ اس پتے کا نام معہ ترتیب یہیں سے ریڈیو کے اس اناؤنسر کی جانب منتقل کردے گا جو اس وقت خبریں سنا رہا تھا۔ چنانچہ ایک آدھ سیکنڈ بعد اناؤنسر نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا "رجنا ہوٹل" "حکم کی ملکہ" پتے کا نام بھی درست تھا اور ترتیب بھی۔ حاضرین سراپا حیرت بن کر رہ گئے (۲۰)

اگر ایک ہپناٹسٹ دوسرے کے حواس، دماغ اور زبان کو مسخر کرنے کے بعد اپنی بات اس کی زبان سے نکلوا سکتا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کو اتنا بے بس کیوں سمجھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

علم الغیب فلا یظھرعلی غیبہ احدالا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالت ربھم واحاط بما لدیھم واحصی کل شئی عددا (الجن ۷۲: ۲۶: ۲۸)

(جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کی طرف پیغام بھیجتا ہے تو اس کے گرد پہرے لگادیتا ہے تاکہ کوئی غلط آواز نبی تک نہ پہنچنے پائے اور اللہ کا پیغام صحیح وسالم اس تک پہنچ جائے)

اگر انسان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ایک انسان کے خیالات دوسرے انسان کو بعینہ منتقل کردے جبکہ دونوں کے درمیان غیر معمولی فاصلہ ہو اور اس کے لئے کوئی ظاہری واسطہ بھی استعمال نہ کیا گیا ہو تو القائے کلام کا یہی واقعہ خالق کائنات کی طرف سے کیوں وجود میں نہیں آسکتا۔

انسانی صلاحیت کا یہ اظہار ایک تجرباتی قرینہ ہے جس سے ہم اس امکان کو باسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھ سکتے ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطہ کے بغیر کس طرح الفاظ اور معانی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور ایک کے خیالات دوسرے کو بعینہ منتقل ہوجاتے ہیں۔ اشراقی پیغام رسانی جو بندوں کے درمیان ایک معلوم اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ایک ایسا قرینہ ہے جس سے ہم اس اشراق کو سمجھ سکتے ہیں جو بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے اور جس کی کامل اور متعین صورت کو مذہب کی اطلاح میں وحی کہا جاتا ہے(۲۱)

آج انسان نے ایسے آلات ایجاد کرلئے ہیں جن سے وہ ایک مکھی کے چلنے کی آواز میلوں دور سے ایسے سن سکتا ہے جیسے وہ اس کے کان کے پردہ پر رینگ رہی ہو حتی کہ وہ کائناتی شعاعوں کے تصادم تک کو ریکارڈ کرلیتا ہے بلکہ حیوانوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فطرت نے خود ذی حیات اشیاء کے اندر بھی ایسی طاقتیں رکھی ہوئی ہیں۔ کتا اپنی متجسس ناک سے اس جانور کی بو سونگھ لیتا ہے جو راستہ سے نکل گیا۔ چنانچہ کتے کی اس صلاحیت کو جرائم کی تفتیش میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چور جس جس تالے کو توڑ کر کمرے میں گھسا ہے اس تالے کو جاسوس کتے کو سونگھا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ سیکنڑوں انسانوں کے درمیان ٹھیک اس شخص کو تلاش کرکے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جس نے اپنے ہاتھ سے تالے کو چھوا تھا۔ کتنے جانور ہیں جو ایسی آوازیں سنتے ہیں جو ہماری قوت سماعت سے باہر ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں اشراق کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ جھینگر اپنے پاؤں یا پر ایک دوسرے پر رگڑتا ہے۔ رات کے سناٹے میں آدھے میل دور تک یہ آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ چھ سوٹن ہوا کو ہلاتا ہے اور اس طرح اپنے جوڑے کو بلاتا ہے۔ اس کی مادہ ایسا بے آواز جواب دیتی ہے جو نر تک پہنچ جاتا ہے۔ نر اس پراسرار جواب کو جسے کوئی نہیں سن سکتا حیرت انگیز طریقے سے سن لیتا ہے اور ٹھیک اسی سمت میں اس کے مقام پر جاکر اس سے مل جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ معمولی ٹڈے کی قوت سماعت اس قدر تیز ہوتی ہے کہ ہائیڈروجن کے ایٹم کے نصف قطرے کے برابر کی حرکت تک وہ محسوس کرلیتا ہے(۲۲)

اس طرح کی بکثرت مثالیں موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ ایسے ذرائع مواصلات ممکن ہیں جو بظاہر نظر نہ آتے ہوں مگر اس کے باوجود وہ بطور واقعہ موجود ہوں اور مخصوص حواس رکھنے والے ذی حیات اس کا ادراک کرلیتے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حالات میں اگر ایک شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں جن کو عام لوگ نہیں سنتے تو اس میں حیرت کیا کیا بات ہے۔ اگر اس دنیا میں ایسی آوازیں ممکن ہیں جو آلات سنتے ہوں مگر انسان نہ سنتے ہوں۔ اگر یہاں ایسی پیغام رسانی ہے جس کو ایک مخصوص جانور تو سن لیتا ہے مگر دوسرا اسے نہیں سنتا تو آخر اس واقعہ میں استبعاد کا کیا پہلو ہے کہ خدا اپنی مصالح کے تحت بعض مخفی ذرائع سے ایک انسان تک اپنا پیغام بھیجتا ہے اور اس کے اندر ایسی صلاحیتیں پیدا کردیتا ہے کہ وہ اس کو اخذ کرسکے اور اس کو پوری طرح سمجھ کر قبول کرسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ وحی والہام کے تصور اور ہمارے مشاہدات و تجربات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ یہ اسی قسم کے مشاہدات کی ایک صورت ہے جس کا مختلف شکلوں میں ہم تجربہ کرچکے ہیں۔ یہ ایک امکان کو واقعہ کی صورت میں قبول کرنا ہے۔(۲۳)

مذکورہ بالا مادی حقائق جدید مفکرین کے لئے وحی والہام اور نبوت کے تصور کو خوب اجاگر کرتے ہیں اور اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اس عقیدہ پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔

قرآن مجید

یوں تو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کےلئے بہت سی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے مگر زیر نظر مضمون میں خاص طور پر قرآن حکیم پر مختصراً بحث ہوگی۔ اس لئے کہ اس کتاب کا ثابت ہونا ہی دراصل تمام کتب سماویہ کے دعوے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب دیگر سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس لئے بھی کہ اب قیامت تک نہ نئے نبی کی آمد کا امکان ہے نہ کسی نئی آسمانی کتاب کے اترنے کا۔ اس لئے عملاً نسل انسانی کی نجات و خسران کا معاملہ اسی کتاب کے ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہے۔

قرآن حکیم کی بہت سی خصوصیات اس کے کلام الہی ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں مگر یہاں صرف اسی خصوصیت کی وضاحت کی جائے گی جس کا تعلق زیر نظر مضمون سے ہے۔

قرآن مجید باوجودیکہ علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا لیکن اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت نہ ہوسکی۔ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ایسا غلطی کا وقوع ممکن تھا۔

(۱) قرآن مجید نے مادی کائنات کے آغاز وانجام کا ایک خاص تصور دیا ہے۔ یہ تصور سو برس پہلے تک انسان کیلئے بالکل نامعلوم تھا اور نزول قرآن کے زمانے میں تو اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں گزر سکتا تھا۔ مگر جدید مطالعہ نے حیرت انگیز طور پر اس کی تصدیق کی ہے۔

آغاز کائنات کے بارے میں قرآن کا بیان ہے:

اولم یرالذین کفروا ان السموت والأرض کانتارتقا ففتقناهما (۲۱ : ۳۰)

(کیا منکرین نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان دونوں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا)

اور اس کا انجام یہ بتایا گیا ہے۔

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب (الانبیاء (۲۱ : ۱۰۴)

(اس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹیں گے جیسے طومار میں کاغذ لپیٹتے ہیں)

ان الفاظ کے مطابق کائنات ابتداءً ایک سمٹی ہوئی حالت میں تھی اور اس کے بعد پھیلنا شروع ہوئی۔

کائنات کے بارے میں جدید ترین تصور یہی ہے۔ مختلف قرآئن اور مشاہدات کی بنیاد پر سائنس دان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کچھ ہزار سال پہلے کائنات کا مادہ جمود اور سکون کی حالت میں تھا۔ یہ ایک بہت ہی سخت سکڑی ہوئی اور گھٹی ہوئی انتہائی گرم گیس تھی۔ تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک زبردست دھماکہ سے وہ پھٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ٹوٹے ہوئے اجزاء چاروں طرف پھیلنے لگے۔ آغاز میں کائنات کا جو مادہ تھا اس کے مکانی دائرہ کا انداز تقریباً اسی ہزار ملین سال نور ہے اور اب پروفیسر ایڈنگٹن کے اندازے کے مطابق وہ سابقہ دائرہ کے مقابلے میں تقریباً دس گناہ بڑھ چکا ہے۔ یہ عمل توسیع اب بھی جاری ہے۔ ایڈنگٹن کے الفاظ ہیں:

"ستاروں اور کہکشاؤں کی مثال ایک ایسے ربڑ کے غبارے کی سطح کے نشانات کی سی ہے جو مسلسل پھیل رہا ہو اس طرح اپنی ذاتی حرکت کے ساتھ تمام آسمانی کڑے کائناتی پھیلاؤ کے ساتھ ہر آن دور ہوتے جارہے ہیں۔"

دوسری بات بھی جدید ترین مطالعے سے کائنات کے ڈھانچے کے عین مطابق ثابت ہوئی ہے۔ قدیم انسان یہ سمجھتا تھا کہ ستارے اتنے ہی فاصلوں پر نہیں جیسے کہ وہ بظاہر نظر آتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ دوری کی وجہ سے قریب قریب نظر آتے ہیں ورنہ وہ ایک دوسرے سے بے انتہا بعید فاصلے پر واقع ہیں اور یہی نہیں بلکہ وہ اجسام جو بظاہر سالم نظر آتے ہیں ان کا بھی ایک حصہ درحقیقت خلا ہے۔ اس طرح فلکی طبیعات کے ماہرین نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائنات میں پھیلے ہوئے پورے مادہ کا حساب لگا کر کہا ہے کہ اگر ساری کائنات کو اس طرح سمیٹ دیا جائے کہ اس میں صند باقی نہ رہے تو ساری کائنات کا حجم موجودہ سورج سے صرف تیس گنا زیادہ ہوگا جب کہ کائنات کی وسعت کا یہ حال ہے کہ شمسی نظام سے بعید ترین کہکشاں جواب تک دیکھی جاسکی ہے وہ سورج سے کئی ملین سال نور کے فاصلے پر ہے۔(۲۴)

۲۔ شق قمر

دور جدید کے ماہرین فلکیات کے نزدیک اجرام سماوی جس قانون کے تحت گردش کر رہے ہیں اس کے مطابق مستقبل بعید میں ایک وقت آنے والا ہے جب چاند زمین کے بہت قریب آجائے گا اور دو طرفہ کشش کی تاب نہ لا کر پھٹ جائے گا اور اس کے ٹکڑے زمین کے گرد فضاء میں پھیل جائیں گے۔

شق قمر کا یہ واقعہ اسی قانون کشش کے تحت ہوگا جس کا مظاہرہ جوار بھاٹا کی شکل میں سمندروں میں ہوتا رہتا ہے۔

یہ نظریہ حیرت انگیز طور پر اس پیش گوئی کی تصدیق ہے جو سورۃ قمر میں ہے:

اقتربت الساعة وانشق القمر (قمر۵۴: ۱)

(یعنی جب قیامت آئے گی تو چاند پھٹ جائے گا اور اس کا پھٹنا قریب قیامت کی علامتوں میں سے ہے(۲۵)

۳۔ پہاڑ

پہاڑوں کے بارے میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ وہ زمین کا توازن برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم (النحل۱۶: ۱۵)

(اس نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے)

ان الفاظ کے نزول کے پورے تیرہ سو برس تک انسانی علم پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں بالکل بے خبر تھا مگر اب جغرافیہ اس سے آشنا ہو چکا ہے۔ اور جغرافیاتی اصطلاح میں اس کو توازن (Asostasy) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں انسان کا علم ابھی تک ابتدائی منازل میں ہے تاہم انگلس کے الفاظ میں

"یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمین کی سطح پر جو ہلکا مادہ تھا وہ پہاڑوں کی شکل میں ابھر آیا اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھاری مادہ تھا وہ گہری خندقوں کی صورت میں دب گیا جن میں اب سمندر کا پانی بھرا ہوا ہے اور اس طرح ابھار اور دباؤ نے مل کر توازن برقرار رکھا ہے۔(۲۶)

۴۔زمین

قرآن میں کہا گیا ہے کہ زمین پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جبکہ اللہ تعالی نے اس کو پھاڑ کر پھیلادیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

والارض بعد ذلک دحٰھا اخرج منہا ماءھا ومرعٰھا(۷۹: ۳۰،۳۱)

(اس کے بعد خدا نے زمین کو پھیلادیا اور اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا)

یہ الفاظ جدید ترین نظریہ انتشار براعظم(Theory of Drifting)کے عین مطابق ہیں۔ اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تمام براعظم کسی زمانے میں ایک ہی بڑی زمین کے حصے تھے۔ اس کے بعد وہ پھٹ کر سطح زمین پر ادھر ادھر پھیل گئے اور بھرے ہوئے سمندروں کے ارد گرد براعظموں کی ایک دنیا آباد ہوگئی(۲۷)

۵۔غذائیات۔(خون)

غذائیات کے ضمن میں کتاب الہی میں انسان کے لئے جو مینو بنایا گیا ہے اس کے مطابق خون ہمارے لئے حرام ہے۔ نزول کتاب کے وقت انسان اس قانون کی غذائی اہمیت سے بے خبر تھا لیکن بعد میں جب سائنسی طور پر خون کے اجزاء کی تحلیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ قانون نہایت اہم مصلحت پر مبنی تھا۔

سائنسی تجزیہ ہمیں بتاتا ہے کہ خون میں کثرت سے یورک ایسڈ(Uric Acid) موجود ہے جو خطرناک زہریلی تاثیر کا حامل ہے اور غذا کے طور پر اس کا استعمال سخت مضر ہے۔ اسی لئے ذبیحہ کا سارا خون ختم ہونے کے بعد اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

اسی طرح سور کو اسلام میں حرام کیا گیا ہے۔ جدید طبی تحقیقات کے مطابق اس کے اندر بے پناہ نقصانات ہیں۔ مثلاً مذکورۃ الصدر یورک ایسڈ زہریلا مادہ تمام جانداروں کے جسم سے خارج ہوجاتا ہے مگر سور کے اندر سے خارج نہیں ہوتا۔ انسانی جسم کے گردے اس زہریلے مادے کو نوے فیصد پیشاب کے ذریعے خارج کردیتے ہیں مگر سور کے جسم سے یہ مادہ صرف دو فی صد خارج ہوتا ہے اور بقیہ حصہ اس کے جسم کا جزو بنتا ہے۔ اسی وجہ سے سور جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے۔(۲۵)

اس طرح کی بکثرت مثالیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور یہ مثالیں اس بات کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطعی ثبوت ہیں کہ یہ غیر انسانی ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے جس کی پیش گوئیوں کی بعد کی معاملات نے حیرت انگیز طور پر تصدیق کی ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

سنریھم ایاتنافی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (۴۱:۵۳)

(عنقریب ہم آفاق وانفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ یہ ظاہر ہوجائے کہ یہ حق ہے)

عقیدہ آخرت

مذہب جن حقائق کو ہمیں ماننے کی دعوت دیتا ہے ان میں سے ایک اہم ترین حقیقت آخرت کا تصور ہے۔

بعض جدید مفکرین کا خیال یہ ہے کہ زندگی تالب گور ہے اور اس سے آگے کسی نوع کی زندگی نہیں۔ اگر ہے بھی تو اس کا علم صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد واپس آئے اور وہاں کے حالات سے آگاہ کرے۔ چونکہ ایسی صورت کا وقوع بعید از قیاس ہے اس لئے آخرت کے متعلق ہمارا علم سماعی غیر حقیقی اور ناتجرباتی ہے۔

ان کے نزدیک آخرت کا تصور ان ناکام لوگوں کی ایجاد ہے جو اس زندگی کی مشکلات پہ غالب نہ آسکے اور مطلوبہ منازل کو نہ پاسکے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تسکین کے لئے عقیدہ آخرت (جنت) تراش لیا۔

اس عقیدہ آخرت کی وضاحت کیلئے چند پہلوؤں پر غور کرنا پڑے گا۔

(۱) کائنات کے موجودہ نظام میں کیا اس طرح کی کسی آخرت کا واقع ہونا ممکن نظر آتا ہے۔ کیا یہاں کچھ ایسے واقعات واشارات پائے جاتے ہیں جو اس دعوی کی تصدیق کر رہے ہوں۔

(۲) اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا وقوع ممکن ہے۔ اگر ہے تو کیوں؟

(۱) اول الذکر پہلو کا جواب یہ ہے کہ نظام کائنات کی موجودہ شکل کا درہم برہم ہونا واقعاتی طور پر ہماری سمجھ میں آجاتا ہے یعنی کائنات میں ہم جن چھوٹی چھوٹی قیامتوں سے بخوبی واقف ہیں وہی آئندہ کسی وقت بڑے پیمانے پر ظاہر ہونے والی قیامت ہے۔

قیامت کے امکان سے باخبر کرنے والا پہلا تجربہ زلزلہ ہے۔ آج سے لاکھوں سال پہلے جب زمین سورج سے الگ ہوئی تھی تو اس کا درجہ حرارت سورج کے برابر تھا۔ یہ درجہ حرارت آج بھی بطن زمین میں موجود ہے اور لاوے کا درجہ حرارت وہی ہے جو آغاز میں تھا یعنی بارہ ہزار فارن ہائٹ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج اگر کسی زلزلے سے سارا لاوہ باہر آجائے تو سطح زمین ایک کھولتے ہوئے جہنم میں بدل جائے۔ آج تک آنے والے چھوٹے چھوٹے زلزلے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہم ایک سرخ پگھلے ہوئے نہایت گرم مادے کے اوپر آباد ہیں جس سے صرف پچاس کلومیٹر کی ایک پتلی چٹانی تہ ہم کو الگ کرتی ہے جو زمین کے مقابلے میں ویسے ہی ہے جیسے سیب کے پر اس کا باریک چھلکا۔ ایک جغرافیہ دان کے الفاظ میں ہمارے آباد شہروں اور نیلے سمندروں کے نیچے ایک قدرتی جہنم دہک رہا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ ہم ایک عظیم ڈائنامیٹ کے اوپر کھڑے ہیں جو کسی بھی وقت پھٹ کر سارے نظامِ ارضی کو درہم برہم کرسکتا ہے۔ یہ زلزلے دراصل چھوٹے درجے کی قیامت ہیں۔ یہ زلزلے چونکہ اچانک آتے ہیں اس لئے یہ زلزلے اچانک آنے والی قیامت کی پیشگی اطلاع ہیں۔ اور یہ بتلاتے ہیں کہ زمین کا مالک کس طرح زمین کے موجودہ نظام کو توڑنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (۲۹)

۲۔ خلا میں کروڑوں بلین (بلین = ایک ارب) ستارے حیرت انگیز رفتار سے گردش کر رہے ہیں ان میں سے بعض زمین سے دس گنا اور بعض ایک کروڑ گنا بڑے ہیں۔ ہمارا سورج ہیبت ناک تیزی کے ساتھ چکر کاٹتا ہوا بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشیئے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے اور اپنے ساتھ نظام شمسی کے تمام توابع کو بھی لیے جا رہا ہے۔

یہ گردش کسی بھی وقت زبردست ٹکراؤ کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔ اس وقت کائنات کی حالت بہت بڑے پیمانے پر ایسی ہوگی جیسے ہزار بمبار ہوائی جہاز بموں سے لدے ہوئے فضا میں اڑ رہے ہوں۔ اجرام سماوی کا اس قسم کا ٹکراؤ ہرگز حیرت انگیز نہیں ہے۔ علم الافلاک کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ستاروں کا باہمی تصادم ممکن ہے۔ چنانچہ شمسی نظام کے وجود میں آنے کی ایک توجیہہ اسی قسم کے ٹکراؤ پر کی گئی ہے۔ اسی ٹکراؤ کو اگر ہم بڑے پیمانے پر قیاس کرسکیں تو نہایت آسانی سے زیر بحث امکان سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسی واقعہ کا دوسرا نام قیامت (آخرت) ہے۔ معلوم ہوا کہ محشر قائم ہونے کے کتنے امکانات نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ کیا انسانیت کا یہ عظیم الشان ڈرامہ اس لئے کھیلا گیا تھا کہ وہ اس طرح کی ایک ہولناک کہانی وجود میں لاکر ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ ہماری فطرت جواب دیتی ہے کہ نہیں۔ انسان کے اندر عدل و انصاف کا احساس تقاضا کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا اور نہ ایسا ہونا چاہیے۔ ایک دن ایسا ضرور آنا چاہیے جب حق اور ناحق الگ ہو۔ ظالم اور مظلوم کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی جزاء و سزا ملے اور اس زندگی کی تمام ناانصافیوں کی تلافی ہوجائے۔ انسانیت کے سب سے بڑے محسن انبیاء علیہم السلام تھے۔ انہوں نے انسان کو راہ راست دکھانے اور پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے بے اندازہ مصائب اٹھائے۔ کوئی سپرد نار ہوا اور کوئی سپرد دار۔ اس دنیاوی زندگی کی نعمتوں میں سے انہیں کچھ بھی نہیں ملا۔ فرعون و نمرود اپنے عالیشان محلات میں دادِ عیش دیتے رہے اور ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام پر آلام زندگی بسر کرتے رہے۔ تاہم تاریخ بتلاتی ہے کہ جب چنگیز کے پوتے ہلاکو خان نے ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کیا تھا تو وہاں سات دن میں انیس لاکھ شہری موت کے گھاٹ اتار دیئے تھے (۳۰) سوال یہ ہے کہ ہلاکو اور اسی نوع کے دیگر قزاقوں اور قاتلوں کو ان ہولناک جرائم کی کیا سزا ملی؟ کچھ بھی نہیں۔ اس لئے یہ تقاضائے عدل ایک ایسی دنیا ہونی چاہیے جہاں انسانیت کے محسنوں اور قاتلوں کو اپنے کئے کا بدلہ ملے۔ محسن لافانی مسرتوں سے ہمکنار ہوں اور بدکن قہر و عذاب کا شکار۔

آخر میں یہ بات کہ کیا موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی کا صدور ممکن ہے؟ اس کائنات میں کیا کچھ ایسے شواہد ہیں جو دوسری زندگی کے امکان کی وضاحت کر سکیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کائنات میں ایسے آثار و شواہد ملتے ہیں جو دوسری زندگی پر دلالت کرتے ہیں۔

انسانی جسم کے ترکیبی اجزاء کو خلیہ (Cell) کہتے ہیں۔ ایک اوسط درجے کا جسم اندازاً ۲۶ ارب ملین خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ورزش، محنت اور مطالعہ سے یہ خلیے ٹوٹتے اور ان کی جگہ نئے خلیے بنتے رہتے ہیں۔ ماہرین ابدان کا اندازہ یہ ہے کہ ہر دس سال کے بعد جسم کی مکمل تجدید ہوجاتی ہے۔ پرانے خلیے مرجاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہاں عمر کے ۷۰ سال گزارتا ہے اور اسے ہم اپنی آنکھوں سے زندہ اور چلتا پھرتا بھی دیکھتے ہیں۔ وہ اس عرصے میں کم ازکم سات بار مکمل طور پر مرچکا ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان سات بار کی جسمانی موت سے نہیں مرا تو آٹھویں بار کی موت (حقیقی) کے بارے میں آخر کیوں یقین کرلیا گیا ہے کہ اس کے بعد وہ لازماً مرجائے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ موت کے آخری حملے کے بعد بھی وہ زندہ رہے (۳۱)

بقول علامہ اقبال:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۸
۲۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۹
۳۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۲۰
۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۱۰
۵۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۱۰
۶۔ صادق محمد احسن، اشتراکیت اور اسلام، ص:۱۳۸
۷۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۳۰
۸۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۲۳
۹۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۹۷
۱۰۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۸۰-۸۱
۱۱۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۹۱
۱۲۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین، اسلام اور سائنس، ص:۶۰
۱۳۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۶۴
۱۴۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۸۲
۱۵۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۸۴
۱۶۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۷۵
۱۷۔ عبدالحق صدیقی، خدا موجود ہے، ص:۴۹
۱۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۱۴
۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۱۶۵-۱۶۶
۲۱۔ ایضاً، ص:۱۶۷
۲۲۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۱۶۴
۲۳۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۱۶۴
۲۴۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۲۲۴-۲۲۵
۲۵۔ ایضاً، ص:۲۲۷
۲۶۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۲۲۹
۲۷۔ ایضاً، ص:۲۳۱
۲۸۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۲۳۴-۲۳۵
۲۹۔ وحید الدین خان، علم جدید کا چیلنج، ص:۱۱۸-۱۲۰
۳۰۔ سردار محمد شفیع، دور مستقبل، ص:۹۸
ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۳۳
۳۱۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم، ص:۳۵

© rasailojaraid.com